© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

کُرد اور کُردستان

تاریخ کے آئینے میں

۱۹۹۱ء کی جنگِ خلیج کے زمانے میں اور اس کے بعد کُرد اور کردستان کا تذکرہ کثرت کے ساتھ اخبارات میں ہوتا رہا۔ سوال یہ ہے کہ کُرد کون ہیں؟ ان کی اصل کیا ہے؟ یہ کس ملک میں آباد ہیں اور شروع سے اب تک ان کی حدودِ تگ و تاز کیا رہی ہیں؟ آئندہ سطور میں بعض قدیم اور جدید مآخذ کی مدد سے ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

کردوں کی اصل

کرد درحقیقت مشرقِ قریب کی ایک ایرانی قوم ہے جو ایران، ماورائے قفقاز، ترکی، شام اور عراق میں آباد ہے۔ ۱۹۱۴ء سے پہلے جو کرد، خراسان، جنوبی شام، ایشیائے کوچک اور کیلیکیا کے مختلف قصبات و دیہات میں آباد تھے، ان کی تعداد بیس سے تیس لاکھ تک تھی۔ اگرچہ مرورِ ایام سے ان میں کئی نسلوں کے عناصر جمع ہو گئے ہیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ دراصل یہ ایک ایرانی قوم تھے۔

ایک روایت کے مطابق دو ہزار سال قبلِ مسیح کے جو کتبے ملے ہیں، ان کی رو سے کردوں کے موجودہ علاقے میں ایک علاقہ "کردہ کہ" کے نام سے موسوم تھا۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس نواح میں ایک قوم "قرطی" کہلاتی تھی جس کی اس علاقے کے لوگوں سے جنگ بھی ہوئی تھی۔ [illegible] تک پھیلی ہوئی تھیں، کوہِ جودی کے قریب بھی ان کی آبادیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سراغ ملتا ہے اور دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر بھی ان کی بہت سی بستیاں موجود تھیں۔ بعض محققین کے نزدیک کرد اور قرطی کا اطلاق معمولی سے صوتی فرق کے ساتھ ایک ہی قوم پر ہوتا ہے۔ اسی نام سے ملتی جلتی ایک قوم "قردو" تھی جو زیادہ تر شمالی شام میں آباد تھی اور کچھ علاقوں میں اس کی حکومت بھی قائم تھی، اس حکومت کا انداز قبائلی قسم کی سرداری کا تھا۔

عربوں کی فتوحات کا دائرہ ایران تک وسیع ہوا تو وہاں خالص ایرانی یا ایرانی نما قبائل پر مشتمل ان کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جسے وہاں کی زبان میں "کرد" کہا جاتا تھا اور ان کے قبیلوں کی کثرت کے باعث عربوں نے بطور جمع کے انھیں "اکراد" کہنا شروع کردیا تھا۔

مسعودی نے مروج الذہب (کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۵۱) میں لکھا ہے کہ کرد نسلاً ایرانی تھے، جنھوں نے ظالم بادشاہ ضحاک کے پنجۂ استبداد سے نجات حاصل کی تھی۔ اس دن اگست کی ۱۲ر تاریخ تھی اور وہ اس تاریخ کو "دماوند" میں اپنی نجات کی خوشی میں ایک تہوار منایا کرتے تھے، جس کا نام انھوں نے "عیدکردی" رکھا تھا۔

بعض عرب مورخین کردوں کا سلسلۂ نسب عربوں سے ملاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کا جدّ اعلیٰ ربیعہ بن نزار بن سعدان تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مضر بن نزار کی نسل سے تھے اور علاقہ موصل میں دیارِ ربیعہ اور علاقہ رقہ میں دیارِ مضر کے جو دو ضلعے ہیں، یہ ان میں آباد تھے۔ بعد ازاں کچھ قبیلوں کی ان سے جنگیں ہوئیں اور ان جنگوں کے نتیجے میں یہ اپنے عرب خاندان سے بچھڑ گئے اور انھیں بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ وہاں یہ عجمی اور اجنبی لوگوں سے خلط ملط ہوگئے اور آہستہ آہستہ اپنی مادری زبان بھول گئے۔

مسعودی نے ان کے وہ نام بھی تحریر کیے ہیں جن میں کرد کا لفظ مذکور ہے، مثلاً کرد بن مرد بن عمرو اور کرد بن اسفندیا ذین منوشہر۔ ان ناموں میں عربی قسم کے نام بھی ہیں اور فارسی قسم کے بھی۔

عرب لغت نویسوں کا خیال ہے کہ لفظ "کرد" کے معنی ہیں دشمن کو مٹادینا اور بھگادینا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک گروہ کو اپنی مملکت سے نکال دیا تھا اور پھر وہ لوگ مختلف مقامات میں چلے گئے اور ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے، اس لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرد کہلائے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں یہ قوم آرمینیا میں نمودار ہوئی تھی اور اس کے بعد بحیرۂ وان کے علاقے میں اس نے ایک طاقتور سلطنت قائم کرلی تھی جو چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل تک تقریباً تین سو سال قائم رہی۔ اس دور کی یہ ایک مضبوط سلطنت تھی۔

بہرحال کرد ایک قدیم قوم ہے، جس کے بہت سے قبیلے عراق، ایران، شام اور ترکی کے بعض علاقوں میں آباد ہیں اور ان قبیلوں میں سے بعض کے نام عربوں سے ہم آہنگ ہیں اور بعض کے ایرانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔

اس قوم کے بارے میں بعض ابتدائی معلومات اختصار کے ساتھ گذشتہ سطور میں بیان کردی گئی ہیں، اب مختصر طور پر ان واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کرد قبائل اور اہل اسلام کے متعلق مسعودی نے مروج الذہب میں، ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں، بلاذری نے فتوح البلدان میں، ابن جریر طبری نے تاریخ الامم والملوک میں اور ان کے بعد کے بعض مصنفین نے اپنی تصنیفات میں بیان کیے ہیں۔

مذہبی اعتبار سے کرد ابتدائی دور میں زرتشتی تھے، اور ان کا وہی اندازِ عبادت تھا جو قدیم عہد کے عام ایرانیوں کا تھا، تہذیبی اور ثقافتی رنگ بھی وہی تھا۔

کرد خلافت راشدہ میں

عرب مسلمانوں کا کردوں سے سب سے پہلے ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں واسطہ پڑا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمان تکریت اور حلوان پر قبضہ کرچکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلمان فوج کے کمانڈر تھے۔ انھوں نے موصل پر حملہ کیا تو اس نواح کا وہ تمام علاقہ فتح کرلیا گیا جہاں کرد آباد تھے۔ اس جنگ میں آنحضرت کے صحابی عیاض بن غنم بھی شامل تھے اور مسلمان فوج کے کچھ دستے ان کے زیر کمان تھے۔ انھوں نے پیش قدمی کرکے کردوں کا بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا علاقہ قبضے میں کر لیا تھا۔

اس کے بعد ۱۹ھ (۶۴۰ء) میں مسلمانوں نے اہواز پر حملہ کیا تو کردوں نے اہواز کے ایرانی حکمران ہرمزان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اب مسلمانوں اور کردوں کے درمیان پھر معرکۂ کارزار گرم ہوا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کردوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ عہدِ اسلامی میں یہ دوسری لڑائی تھی جو مسلمانوں اور کردوں کے درمیان ہوئی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد ۲۳ھ (۶۴۴ء) میں پھر مسلمانوں اور کردوں کا مقابلہ ہوا۔

حضرت عمر نے اہواز کے کردوں کے مقابلے کے لیے کئی دفعہ فوج بھیجی۔ ادھر کردوں نے بھی موقع پا کر عہدِ فاروقی میں متعدد مرتبہ وسطی کرخا کے علاقے پر فوج کشی کی اور مسلمانوں سے متصادم ہوئے۔

۲۵ھ (۶۴۵ء) خلیفۂ سوم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت تھا اور اس وقت بہت سے کرد قبائل اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن جنوب کے علاقے میں بعض مقامات سے تعلق رکھنے والے کردوں نے اسلامی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دیا اور ان کی بہت بڑی تعداد دائرۂ اسلام سے باہر نکل گئی۔ اس زمانے میں بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے باغی اور مرتد کردوں کے مقابلے کے لیے مسلمان فوج روانہ کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی کردوں نے مسلمانوں کی شدید مخالفت کی۔ انھوں نے ایران کے مجوسیوں اور اپنے علاقے کے بعض عیسائیوں کے ساتھ مل کر اہواز کے قریب تیرّیت اور بعض دوسرے شہروں کا عزم کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی۔ شدید جنگ کے بعد کردوں کا کمانڈر مارا گیا اور وہ شکست سے دوچار ہوئے۔

کرد عہدِ بنوامیہ میں

خلافتِ راشدہ کا دور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان المبارک ۴۰ھ (۶۶۰ء) میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مملکتِ اسلامی کی زمامِ اقتدار باقاعدہ طور پر بنوامیہ کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ کردوں کے بعض قبائل مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے شورو ہنگامے کی طویل عرصے تک کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کردوں کی بڑی تعداد کو اسلامی فوج میں بھرتی کر لیا جاتا ہے اور جنگ و جہاد کے مواقع پر مخالفین اسلام کا وہ نہایت بہادری سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اموی حکمران خلیفہ عبدالملک تک یہی صورت حال رہتی ہے کسی طرف سے کرد قبائل کی بغاوت و مخالفت یا بدامنی وہنگامہ آرائی کی اطلاع نہیں آتی۔

اس اثنا (۶۶ھ/ ۶۸۵ء) میں عبدالملک نے اپنے ایک عامل کو جنگ کے لیے آرمینیہ اور آذربائیجان کی طرف بھیجا، جس نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حکومت نے حلوان میں ایک گورنر مقرر کیا، اس زمانے میں کردوں نے حلوان اور اس کے گردو نواح میں شورش برپا کر دی تھی اور حکومت اس سے سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ حکومت کی طرف سے گورنر کو حکم دیا گیا تھا کہ حلوان میں کردوں کی شورش کو ختم کر دیا جائے اور اس کے لیے اگر نوبت جنگ تک پہنچتی ہے تو کردوں سے جنگ کی جائے۔ لیکن اس اثنا میں حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ معاملہ آگے نہ بڑھا۔

خلیفہ عبدالملک ہی کے ایک گورنر نے جو سابور کے علاقے میں متعین تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰن تھا، خلیفہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور ۸۳ھ (۷۰۲ء) میں کردوں کے ساتھ ساز باز کر کے اس علاقے پر قبضہ کر لینے کا منصوبہ بنایا، لیکن دربارِ خلافت میں بروقت اطلاع ہو جانے کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل نہ ہو سکا اور عبدالرحمٰن کی بغاوت کو جس میں کرد قبائل کی مدد شامل تھی، فوری طور سے دبا دیا گیا۔ اس واقعہ سے سات سال بعد ۹۰ھ (۷۰۸ء) میں کردوں نے پھر سر اٹھایا اور فارس کے بعض علاقوں کو تاراج کرنے کا عزم کیا۔ اس وقت عراق اور مشرقی ملکوں کا گورنر حجاج بن یوسف تھا جو نہایت سخت مزاج اور انتہائی زیرک حکمران تھا۔ وہ فوج کو حرکت میں لایا اور کردوں کو اتنی شدید سزا دی کہ پھر طویل عرصے تک ان کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔

کردوں کے بہت سے قبیلوں نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا، مگر ان میں سے بعض لوگ بعض انتظامی معاملات میں کبھی حکومت کی مخالفت پر اُتر آتے تھے اور کبھی حکومت کے حامی ہو جاتے تھے۔ سابور کے علاقے میں خارجی بھی اچھی خاصی تعداد میں آباد تھے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اموی حکومت کے سخت مخالف تھے، ان کا بہت بڑا مددگار ایک شخص سلیمان تھا جو اس نواح میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ کرد بھی وہاں کثیر تعداد میں سکونت پذیر تھے۔ ۱۲۹ھ (۷۴۶ء) میں سابور کے خارجیوں نے سلیمان کے ساتھ مل کر خلیفہ مروان ثانی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور سابور کا محاصرہ کر لیا۔ حکومت کے لیے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ کرد پوری طرح مسلح ہو کر میدان میں نکلے اور انھوں نے خارجیوں اور سلیمان کے حامیوں کے خلاف جنگ کی اور کامیاب رہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خلیفہ مروان کی والدہ ایک کرد نژاد خاتون تھی جو نہایت خوب صورت تھی۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور رنگ نکھرا ہوا اور گورا تھا۔ منقول ہے کہ خلیفہ مروان کی شکل و شباہت بالکل اپنی ماں جیسی تھی۔

کرد عہدِ بنو عباس میں

۱۳۲ھ (۷۴۹ء) کو بنو امیہ کا عہدِ حکومت ختم ہوا اور خاندانِ بنو عباس کے دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ اس خاندان کے دوسرے حکمران کا نام ابو جعفر منصور تھا۔ اس کے عہد (۱۴۷ھ/۷۶۴ء) میں مملکت کے بعض مقامات میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس سے عباسی حکومت کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد موصل میں کردوں نے بغاوت کر دی اور ان کی اس ہنگامہ آرائی کے اثرات دور دور تک پھیل گئے۔ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں اس بغاوت اور ہنگامہ آرائی کا ذکر "انتشار الاکراد" کے عنوان سے کیا ہے۔ لیکن منصور کی بیوی ایک کرد عورت تھی اور اس کے بیٹے کا نام جعفر تھا، منصور کی کنیت ابو جعفر اسی بیٹے کی وجہ سے تھی، عباسی حکومت کے خلاف کردوں کے اس انتشار اور بغاوت کو ختم کرنے کے لیے منصور کی بیوی اور اس کے بیٹے جعفر نے اہم کردار ادا کیا۔

اس سے کم و بیش پچھتر سال بعد خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں موصل میں کردوں نے پھر بغاوت کی۔ کردوں کے ایک مشہور اور بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان جعفر بن فہیر تھا۔ ۲۲۵ھ (۸۳۹ء) میں اس نے عباسی حکمران کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور بادغیس [illegible] جعفر بڑا بہادر اور جنگ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرد تھا، لیکن سرکاری فوج کے مقابلے میں اس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے بہت سے فوجیوں کے ساتھ بھاگ کر پہاڑوں کے دامن میں جا چھپا۔ وہاں اس نے از سرِ نو اپنے لشکر کو جمع کیا اور سرکاری فوج پر جو اس کے تعاقب میں تھی، اس قدر زوردار حملہ کیا کہ اسے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ جعفر کے لشکریوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا اور اس پورے علاقے پر جس میں موصل اور دیگر بہت سے اہم مقامات شامل تھے، قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عباسی حکومت نے ایک ترک جرنیل کی سرکردگی میں، جس کا نام اَیتاخ تھا، ایک نئی اور تازہ دم فوج تیار کی، جس نے جعفر کے ساتھیوں پر اتنے شدید اور مسلسل حملے کیے کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور باغیوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اس سے چھ سال بعد ۲۳۱ھ (۸۴۵ء) میں کردوں نے اصفہان، جبال اور فارس کے بعض علاقوں پر حملہ کر دیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ یہ بڑی مؤثر جدوجہد تھی، جس سے عباسی حکومت کے لیے نہایت خطرناک حالات پیدا ہو گئے تھے، اس لیے کہ کردوں نے اس علاقے میں بہت بڑی طاقت جمع کر لی تھی۔ کردوں کی اس بغاوت کو بھی ایک ترک سپہ سالار نے ختم کیا، جس کا نام وصیف تھا۔

موصل کے کردوں نے ۲۵۲ھ (۸۶۶ء) میں ایک خارجی کے ساتھ مراسم استوار کیے، جس کا نام مساور تھا، اس نے موصل پر قبضہ کر کے کردوں کی مدد سے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ مرکزی حکومت کو اسے ختم کرنے کے لیے بڑی دقّتیں پیش آئیں، اس بغاوت کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔

۲۶۲ھ (۸۷۵ء) میں عباسی حکومت کے خلاف بعض علاقوں میں حبشیوں نے شورش بپا کر دی تھی جو کئی مہینے جاری رہی۔ اس شورش کو پھیلانے اور تیز کرنے کے لیے کردوں نے بھی حبشیوں کا ساتھ دیا تھا۔ بعد میں یہ شورش سختی سے دبا دی گئی تھی۔ اس میں بہت سے خارجیوں نے بھی حصّہ لیا تھا اور خاندانِ صفاریہ کے بانی یعقوب صفاری نے بھی اس بغاوت کی حدود کو وسعت دینے کی کوشش کی تھی۔ یعقوب نے اس بغاوت کے نتیجے میں اہواز میں اپنا جو نائب مقرر کیا تھا وہ ایک کرد سردار تھا اور اس کا نام محمد بن عبید اللہ تھا۔ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادے بہت بلند تھے اور وہ خارجیوں کی مدد سے پورے علاقے پر قبضہ کرنے کا خواہاں تھا۔
اسی اثنا میں محمد بن عبید اللہ نے اپنی قلمرو کو دسیع کرنے کے لیے سوس پر چڑھائی کی اور اس کے ایک حصّے پر قابض ہو گیا۔ لیکن جب عباسی فوج کے سپہ سالار احمد لیشوید سے مقابلے نے شدت اختیار کی تو محمد بن عبید اللہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ خود احمد لیشوید بھی کرد تھا اور اس فوج کا سپہ سالار تھا جو عباسی خلیفہ نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجی تھی۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا، بلکہ احمد لیشوید کے اس علاقے سے چلے جانے کے بعد محمد بن عبید اللہ نے خارجیوں سے رابطہ پیدا کیا اور ان سے طالبِ امداد ہوا۔ اس نے بعض کرد قبیلوں کو بھی ساتھ ملایا اور شوستر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ قبضہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکا، اس لیے کہ احمد لیشوید نے اس سے لڑائی کر کے اپنا علاقہ دوبارہ حاصل کر لیا تھا اور پھر یہ علاقہ اور پورا شوستر عباسی حکومت کے قبضے میں آگیا تھا۔

۲۸۱ھ (۸۹۴ء) کے لگ بھگ کردوں کی حمایت سے ایک عرب نے جس کا نام حمدان بن حمدون تھا، موصل میں اپنی حکومت قائم کی، اس حکومت کے کارپردازوں میں خالص عرب بھی شامل تھے اور ایران و عراق کے سرحدی مقامات میں بسنے والے کرد بھی شامل تھے۔

۲۸۴ھ (۸۹۷ء) میں کردوں نے پھر انگڑائی لی اور بغداد کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ابتدا میں تو یہ بغاوت کچھ زور دار رہی، لیکن بعد میں جلد ہی ختم ہو گئی اور حالات معمول پر آگئے۔

قبیلہ ہذیان کے کرد بڑے طاقت ور اور جنگ جو تھے، ان کے سردار کا نام محمد بن بلال تھا جو کردوں اور دوسرے لوگوں میں بہت اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ ۲۹۳ھ (۹۰۶ء) میں اس نے نینوا کے علاقے پر چڑھائی کی اور اسے تاخت و تاراج کیا۔ اس زمانے میں موصل کا گورنر عبد اللہ بن حمدان تھا جو بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے محمد بن بلال کا تعاقب کیا اور معطوبہ کے مقام پر فریقین کے درمیان شدید لڑائی ہوئی۔ لیکن محمد نے اپنے ارد گرد کردوں کی اتنی طاقت جمع کر لی تھی کہ اس کے مقابلے میں عبد اللہ کے قدم جم نہ سکے اور اسے ہزیمت اٹھا کر بھاگنا پڑا۔

ایک سال بعد پھر معرکہ کارزار گرم ہوا۔ ایک دوبار علاقے کی طرف سے کئی ہزار نئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوج عبداللہ کی مدد کو پہنچ گئی تھی۔ قبیلہ ہذبان میں کردوں کے پانچ ہزار خاندان آباد تھے، عبداللہ نے ان پر حملہ کیا تو کردوں نے مسئلے کو گفت و شنید کے ذریعے حل کرنے کی پیش کش کی اور میدان چھوڑ کر آذربائیجان کی طرف ہٹ گئے۔ لیکن عبداللہ نے فوج میں مزید اضافہ کر کے اہلِ ہذبان پر دھاوا بول دیا۔ اس وقت کردوں نے خندقیں کھود کر ان میں پناہ لے رکھی تھی، مگر عبداللہ کی سرکاری فوج کے حملے اس قدر مسلسل اور شدید تھے کہ اہلِ ہذبان اس کے مقابلے میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی کردوں کے بعض دوسرے قبیلوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی جن میں حمیدی اور جبل دارسن کے کرد شامل تھے۔

عباسی حکمران خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں کردوں نے موصل اور اس کے قرب و جوار کو نشانہ بنایا اور لوٹ مار کی، لیکن سرکاری لشکر کے ہاتھوں سخت سزا پائی۔ کردوں کا ایک قبیلہ جلالی تھا، اس نے حکومتِ وقت کا سخت مقابلہ کیا —— بالآخر اسے بھی اپنی اچھی خاصی طاقت اور نفری کے باوجود پسپا ہونا پڑا۔

دیسم بن ابراہیم

اس دور کی علاقائی اور قبائلی تاریخ ہمیں ایک اور شخصیت سے متعارف کراتی ہے، جس کی زندگی کے جرأت مندانہ اور شجاعانہ کارناموں کے بہت سے واقعات مختلف کتابوں میں مرقوم ہیں۔ یہ شخص ۳۳۲ھ (۹۴۳ء) کے لگ بھگ میدانِ عمل میں آتر تا ہے۔ اس کا نام دیسم بن ابراہیم تھا۔ یہ ایک عرب باپ اور کرد ماں کا بیٹا تھا۔ عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے خارجی تھا۔ اس کے دلیرانہ اقدامات نے اسے بڑی شہرت عطا کی اور یہ لوگوں کا مرکزِ توجہ قرار پا گیا۔ دیلمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے سوا باقی سب لوگ اس کے ساتھ تھے، کردوں کے بارے میں تو کہنا چاہیے کہ اُنھوں نے اس کی اطاعت گزاری کو اپنے لیے فرض ٹھہرا لیا تھا۔ اس نے کردوں کی مدد سے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے مضافات کو فتح کر کے تمام علاقے پر حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر اسے شکست بھی ہوئی اور وہ فاتح کی حیثیت سے بھی ابھرا، مگر اس میں کمال یہ تھا کہ نہ فتح حاصل کرنے کے بعد کبھی کسی گروہ یا شخص پر ظلم ڈھایا اور نہ شکست کے بعد کبھی مایوسی کا اظہار کیا۔ اس نے مختلف حکمرانوں کی طرف سے ... بھی ... اور ... سے نبرد آزما بھی ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخالفوں نے اس پر قابو پاتے کے بعد لسے قید خانے میں ڈال دیا تھا اور پھر اسی پر بس نہیں کی، قید کی حالت میں اس کی آنکھیں نکلوادی تھیں - اس نے قید خانے ہی میں ۳۴۵ھ (۹۵۴ء) کو وفات پائی - چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی میں یہ شخص کردوں کا بہت دلیر اور جری حکمران تھا -

ایک کرد خاندان - آل ایوب

چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں سیاسی اعتبار سے عجیب وغریب حالات پیدا ہوگئے تھے - بہت سے علاقوں کے گورنروں اور صوبے داروں نے اپنی اپنی خودمختار حکومتیں قائم کرلی تھیں، ان میں سے بعض کا بغداد کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا - ان خودمختار صوبے داروں میں ایک شخص محمد بن شداد بن قرطون تھا جو کردوں کے قبیلہ رَوادی سے تعلق رکھتا تھا اور نہایت عاقل و فہیم اور باہمت شخص تھا - یہی وہ شخص ہے جس کی اولاد سے آگے چل کر ایک بہت بڑا خاندان پیدا ہوا جو "آلِ ایوب" کے نام سے موسوم ہوا - سلطان صلاح الدین ایوبی اسی خاندان کا فرد فرید تھا جس کی صلیبی جنگوں کے کارنامے اسلامی تاریخ کے عظیم الشان باب کی حیثیت رکھتے ہیں -

شداد کے خاندان کو اس دور کے کردوں کا بہت بڑا خاندان سمجھا جاتا تھا - افرادی قوت کے لحاظ سے بھی ان لوگوں کی بڑی شہرت تھی اور مال و دولت کے اعتبار سے بھی ان کو نمایاں حیثیت حاصل تھی - ان کی جاگیروں کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں -

آل شداد کے کردوں میں ایک شخص ابوسُوار تھا - اس نے ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) میں اپنے کم سن بیٹے منوچہر کے لیے شہر "انی" خرید لیا تھا - اس کے بعد یہ خاندان دو شاخوں میں بٹ گیا تھا - ایک شاخ "گنجہ" کہلاتی تھی اور دوسری کو "انی" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا - تھوڑا عرصہ آلِ شداد کا انی خاندان کچھ اور لوگوں کے ماتحت بھی رہا - اس کے بعد پھر حالات بدل گئے تھے، چنانچہ ۱۱۲۶ء سے ۱۱۶۱ء تک ان کا بڑا رعب اور دبدبہ رہا - آلِ شداد روشن خیال اور عالی ہمت حکمران تھے - اپنی مملکت کو اُنھوں نے بڑی ترقی دی -

کردوں کی تاریخ بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے - ان میں اہل سنت بھی ہیں، شیعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہیں اور خارجی بھی ہیں۔ بادشاہ بھی ہیں، گورنر بھی ہیں، سردار بھی ہیں اور بڑے بڑے بہادر فوجی بھی ہیں اور کمزور دل بھی۔ محدثین اور فقہا کی جماعت بھی ان میں نظر آتی ہے اور گلیم پوش صوفیا کا گروہ بھی یادِ خدا میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔

ان میں ایک شخص اسحاق بن عیسیٰ تھا جو آذربائیجان کا رہنے والا تھا۔ ۳۴۹ھ (۹۶۰ء) میں اس نے بڑی شہرت پائی، لیکن تھوڑے عرصے بعد اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

کرد حکمران

۳۴۸ھ (۹۵۹ء) کے قریب کردوں کا ایک شاہی خاندان الجبال میں ابھرا۔ اس کا بانی کردوں کے قبیلے برزیکانی کا سردار حسنویہ بن حسن تھا۔ حسنویہ نے اس وقت رکن الدولہ بویہی کی مدد کی تھی جب اس نے خراسان پر حملہ کیا تھا۔ برزیکانی قبیلے کے کردوں کا رکن الدولہ پر یہ بہت بڑا احسان تھا جس کا وہ اکثر اپنی مجلسوں میں ذکر کیا کرتا تھا۔ اس احسان کے بدلے میں رکن الدولہ نے ہمیشہ کردوں کی تعریف کی اور ان سے انتہائی رواداری کا سلوک کیا۔ اگر کبھی کسی شخص نے کسی معاملے میں اس سے کردوں کی شکایت کی تو اس نے یہی جواب دیا کہ کردوں کو بھی آخر زندہ رہنے کا حق ہے، وہ اسی معاشرے کا حصہ ہیں جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ اگر کسی موقعے پر وہ تھوڑی بہت زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں یا کوئی غلطی کرتے ہیں تو یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

حسنویہ بڑے اچھے کردار کا حکمران تھا۔ نہایت عقل مند اور بلند اخلاق۔ حکمرانی کے سلسلے میں اس کی حکمت عملیوں کی مورخین نے بڑی تحسین کی ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام "سرماج" تھا۔ حسنویہ نے ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں وفات پائی۔ اس سے پہلے اس کے حلیف رکن الدولہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عضد الدولہ مسند حکومت پر متمکن ہو گیا تھا۔ عضد الدولہ نے حسنویہ کی وفات کے بعد اس کے تین بڑے بڑے شہروں ہمدان، دینوَر اور نہاوند پر قبضہ کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا، لیکن جب حسنویہ کا بیٹا بدر باپ کی جگہ تختِ حکومت پر فائز ہوا تو عضد الدولہ نے یہ شہر اس کے حوالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیے تھے۔ بدر نے ۹۷۹ء میں زمامِ اختیار ہاتھ میں لی تھی اور وہ ۱۰۱۴ء تک پورے پینتیس برس دادِ حکمرانی دیتا رہا۔

بدر وہ کرد حکمران تھا جو بڑا مدبر اور صاحبِ فراست تھا۔ عضد الدولہ سے اس کے تعلقات بے حد مخلصانہ تھے۔ عضد الدولہ نے بدر کو ناصر الدین والدولہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ مورخین نے بدر کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ اس نے اپنے کرد بھائیوں میں تعلیم عام کی، ان سے ہر معاملے میں عدل و انصاف کا برتاؤ کیا اور کرد کسانوں کو بہت سی مراعات سے نوازا۔ کردوں اور دوسرے لوگوں کے لیے اس کا دورِ حکومت بڑا باعثِ اطمینان اور وجہِ سکون تھا۔

بدر کے بعد اس کے بیٹے طاہر نے تاجِ حکومت سر پر رکھا، لیکن وہ صرف ایک سال حکومت کر سکا، اس کو شمس الدولہ بویہی نے ۱۰۱۵ء میں حکومت سے علیحدہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

کردوں پر کئی دور آئے، عراق اور ایران کے مختلف علاقوں میں کبھی ان کی حکومت قائم ہوئی اور کبھی ختم ہوئی۔ یہ بڑی جان دار اور باہمت قوم تھی۔ حریف کا مقابلہ کرنا بھی جانتی تھی اور اس سے نرم رویہ اختیار کرنے کا فن بھی اسے خوب آتا تھا۔

کردوں کے ایک خاندان کو بنو مروان کہا جاتا تھا۔ اس خاندان نے دیار بکر میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ بہت سا علاقہ اس کی قلمرو میں شامل تھا، مثلاً خلاط، ملاز گرد، ارجیش اور دریائے وان کے شمالی حصے پر ان کا پرچم اقتدار لہراتا تھا۔ یہ حکومت ۹۹۰ء سے ۱۰۹۶ء تک ایک سو چھ سال قائم رہی۔ مغرب میں عرقہ کا علاقہ بھی کئی سال ان کے زیرِ تسلط رہا۔

ایک کرد حکمران ابو علی حسن تھا، اس نے شام کے بعض علاقوں پر حملہ کیا اور ان پر قابض ہوا۔ تھوڑا عرصہ اس کی حکومت رہی، وہ اپنے دور کا بڑا عادل کرد حکمران تھا۔

کردوں نے بہت سے علاقوں کو پامال کیا اور عباسی حکومت کے کتنے ہی بڑے بڑے اہلِ کار ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے۔ اس ضمن میں ایک کرد سردار احمد بن ضحاک نے بڑی شہرت پائی۔ اس نے باسل کے سپہ سالار کو ہلاک کیا اور بوزنطی جو کردوں کی طرف مسلسل بڑھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلے آرہے تھے، اس سے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

کردوں اور ترکوں کی معرکہ آرائی

ترکوں اور کردوں کے درمیان بہت معرکے ہوئے اور بعض مقامات میں ترک فوج کے ہاتھوں کردوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری، جب تک حالات نے ساتھ دیا مصروفِ جدوجہد رہے۔ ایسا وقت بھی آیا کہ ترکوں کی شدید فوجی کارروائی سے کرد انتہائی کمزور ہو گئے اور انھیں ترکوں کے سامنے جھکنا پڑا، نتیجتاً کردوں کے بہت سے خاندان صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور ان کی جگہ ترک آباد ہو گئے۔

ترکوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے سے کچھ عرصہ بعد کردوں نے شام کے علاقے میں سر اٹھایا اور وہاں کے بعض مقامات پر ان کا مقابلہ عیسائیوں سے ہوا۔ ان مقابلوں میں کردوں نے اپنی طاقت کے خوب جوہر دکھائے اور کامیابیاں حاصل کیں۔

ملک سنجر کے عہد میں جبال کے مغربی حصے کو کردستان کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ سلیمان جو سنجر کا بھتیجا تھا، اس صوبے کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ بڑا زرخیز اور خوشحال صوبہ تھا، اسی زمانے (۵۱۳ھ/۱۱۰۹ء) میں کردوں نے اس نواح کی شورشوں میں حصہ لیا اور طور عابدین کے مسیحی اسقف کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس نواح کے عیسائیوں سے کردوں کی بارہا جھڑپیں ہوئیں، جن میں ہمیشہ کردوں کا پلّہ بھاری رہا۔ دیارِ بکر کے اتابکوں سے بھی کردوں کی کئی دفعہ لڑائیاں ہوئیں اور اتابک ان کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا رہے۔ بعض عباسی خلفا نے بھی متعدد مرتبہ کردوں سے رابطہ پیدا کیا اور ان سے طالبِ امداد ہوئے۔

ترکوں اور کردوں کے درمیان عام طور پر چپقلش جاری رہتی تھی، بعض دفعہ خون ریزی تک نوبت پہنچ جاتی۔ ۱۱۸۵ء میں جب کہ خلیفہ الناصر کا عہدِ حکومت تھا، ایک معمولی واقعہ رونما ہوا، جس کی وجہ سے ترکوں اور کردوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے شام، دیارِ بکر، الجزیرہ، موصل، شہرزار اور آذربیجان کے وسیع علاقے لڑائی کی لپیٹ میں آ گئے۔ پورے دو سال لڑائی کی آگ بھڑکتی رہی۔ اس اثنا میں آرمینا، آشوریا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شام اور قیادو قیہ وغیرہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں تو دونوں متحارب فریقوں کی اس لیے باہم صلح ہو گئی کہ متحد ہو کر عیسائیوں کا مقابلہ کیا جائے لیکن تھوڑے عرصے کے بعد دونوں فریق پھر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور فریقین کے بے شمار آدمی موت کا لقمہ بن گئے۔ لڑائی کے نتیجے میں بعض مقامات کے کرد تو بالکل ختم ہو گئے اور ان کے مال و دولت پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا۔ بعض کرد قبیلوں نے خود ہی اپنے مکانات عیسائیوں کے حوالے کر دیے اور وہاں سے بھاگ کر جان بچائی۔ کتنے ہی کردوں کو عیسائیوں نے پناہ دی اور ترکوں کی دست برد سے محفوظ رکھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی، کرد تھا

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے صلاح الدین ایوبی جس کی صلیبی جنگوں کو تاریخ اسلامی کا بہت بڑا عنوان قرار دیا جاتا ہے اور جو فاتح بیت المقدس کی حیثیت سے مشہور ہے، نسلی اعتبار سے کرد تھا اور بعض سلطنتیں اس کی باجگزار تھیں۔ اس کی تگ و تاز مجاہدانہ سے اس دور کی عیسائی حکومتیں کانپتی تھیں اور اس کے کارناموں کے بہت بڑے میدان مصر اور شام تھے۔ عہدِ ایوبی میں کرد بہت سے فوجی اور انتظامی مناصب پر مامور تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو بڑی مراعات سے نوازا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اکثر اوقات اُس خاندان کے مفاد کے منافی کام کرتے تھے، جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعلق تھا۔

کردوں کی تعلیمی خدمات

کردوں نے بہت سی تعلیمی خدمات بھی سرانجام دیں اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے متعدد مقامات پر مدرسے قائم کیے، ان میں ایک شخص کا نام قطب الدین تھا جو خاندانِ ایوبی کا فرد تھا۔ اس نے قاہرہ میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جس کا نام "مدرسہ قطبیہ" تھا۔ اس مدرسے میں کئی سو طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے اور بہت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساتذہ ان کو تعلیم دینے پر مامور تھے۔ مدرسہ قطبیہ کی عمارت اتنی بڑی تھی کہ طلباء کے علاوہ اساتذہ کے بڑے بڑے سکونتی مکان اسی عمارت کی حدود میں واقع تھے۔

خوارزم شاہ اور کرد

کرد عجیب وغریب فطرت کے مالک تھے۔ ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں زغزدس کے کرد، جلال الدین خوارزم شاہ کے مقابلے میں آکھڑے ہوئے اور اس کی فوج کا جو ہمدان سے بغداد کی طرف جا رہی تھی، راستہ روک لیا اور اسے مار بھگایا۔ پھر کردوں کے مقابلے کے لیے خوارزم شاہ نے مزید فوج بھیجی تو شکست کھا کر میدان چھوڑ گئے اور بہت سے کرد مارے گئے۔ اس سے تھوڑا عرصہ بعد ایک وقت آیا کہ منگولوں نے جلال الدین پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں اسے ملک چھوڑنا پڑا۔ اب اس نے دیارِ بکر کا رخ کیا اور کردوں کے ہاں پناہ لی۔ ایک روایت کے مطابق کردوں ہی نے اسے قتل کیا تھا۔

شاہانِ صفویہ اور کرد

ایران کے شاہانِ صفویہ اور ترکی کے عثمانی حکمرانوں کی باہم چپقلش سے کردوں کو سخت جانی اور مالی نقصان ہوا۔ صفوی بادشاہ کردوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ کرد زیادہ تر اہلِ سنت تھے اور صفوی شیعہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اس کے برعکس وہ عثمانیوں کے نزدیک قابلِ اعتماد تھے، اس لیے کہ دونوں عقیدتاً اہلِ سنت تھے۔ کم وبیش تین سو سال کردستان کا علاقہ سلاطین عثمانیہ اور شاہانِ صفویہ کی باہمی لڑائیوں کا اکھاڑہ بنا رہا، ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں تھوڑا بہت امن قائم ہوا تو کردوں نے سکھ کا سانس لیا۔ پھر گیارھویں صدی ہجری کی تیسری دہائی اور سترھویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی (۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء) میں ایسا وقت آیا کہ ایران کے شاہ عباس نے پندرہ ہزار کردوں کو خراسان کی سرحد پر منتقل کر دیا تاکہ ترکوں کے مقابلے میں کام دے سکیں۔ بعدازاں شاہ عباس کے آخری دور میں ترکوں نے بغداد پر نظریں مرکوز کر دیں تو ۱۰۳۳ھ میں اس کی فوج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بہت سے کرد دستے بھی شامل تھے، یعنی اب کرد پھر ترکی کی حمایت کر رہے تھے۔

کردوں کے مختلف خاندان

کرد کئی خاندانوں میں منقسم تھے۔

۱۔ وہ خاندان جو واقعی اقتدار شاہانہ کے مالک اور اربابِ سلطنت تھے۔

۲۔ وہ جن کے بعض افراد کو حکومت و فرماں روائی کے مواقع ملے اور مختلف اوقات میں اُنھوں نے اپنے نام کے سکّے جاری کیے اور خطبے پڑھوائے۔

۳۔ وہ جو بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے اور ان کا شمار زمینداروں اور رئیسوں میں ہوتا تھا۔

۴۔ وہ جن کا کام فوجی خدمات سر انجام دینا تھا۔

۵۔ پانچویں وہ جو غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

ان تمام خاندانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کا شب و روز کا مشغلہ محض پڑھنا لکھنا تھا، حکومت کے ایوانوں اور فرماں روائی کی مسندوں سے اُنھیں کوئی تعلق نہ تھا۔

ایران میں کردوں کے کئی قبیلے آباد تھے۔ وہ کبھی حکومت کی مخالفت کرنا شروع کر دیتے تھے اور کبھی اس کے حامی بن جاتے تھے۔ اٹھارویں صدی کی دوسری دہائی میں ایران کا بادشاہ حسین تھا جو نہایت کمزور بادشاہ تھا، اور اس کے زمانے میں حکومتی نظم و نسق کے تمام خانے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ عراق کے کردوں نے اس کی کمزوری اور دوں ہمتی سے فائدہ اُٹھایا اور ۱۷۱۹ء میں ہمدان کا محاصرہ کر لیا اور لوٹ مار کرتے ہوئے دار الحکومت کے دروازے پر جا دستک دی۔ کسی کو ان کا راستہ روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

۱۷۲۶ء میں کردوں نے افغانوں سے رابطہ قائم کر لیا اور بیس ہزار کرد فوج نے ترکی پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردوں کے روابط روس کے ساتھ

۱۸۲۹ء میں سیواس کے حکمران رشید محمد پاشا کو یہ ذمے داری سونپی گئی کہ وہ کردوں کے درمیان امن و امان کی فضا پیدا کرے اور کردستان میں کسی ترک حکمران کا تقرر عمل میں لایا جائے ۔ یہ بات کردوں کو منظور نہ تھی ۔ انھوں نے اس کے خلاف زبردست ہنگامہ کیا اور ہنگامے کا یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ کئی سال جاری رہا ، اس اثنا میں بے شمار کرد مارے گئے ۔ اس سے بیس اکیس سال قبل ۱۸۰۴ء اور ۱۸۰۵ء میں کردوں کے روسیوں سے روابط قائم ہوئے تھے اور پھر جب ۱۸۲۹ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی تو بہت سے کردوں نے روس کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا اور روس کی فوج میں باقاعدہ ایک کرد رجمنٹ بھرتی کی گئی تھی ، جس نے روس کی طرف سے ترکوں سے جنگ کی تھی ۔ اس کے بعد روسی فوج میں جنگِ کریمیا کے زمانے میں کردوں کی دو رجمنٹیں بنائی گئی تھیں ۔ یعنی مختلف مواقع پر انھوں نے مختلف حکومتوں کا ساتھ دیا اور ڈٹ کر دیا ۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ہم دیکھتے ہیں کہ کردوں کے افقِ سیاست پر ایک نئی شخصیت کا ظہور ہوا ، جس کا کردوں کے عام مراکزِ عمل و حرکت سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ یہ شخص دیارِ بکر اور حلب کے درمیان ضلع ویران شہر کے قبیلہ ملّی (یا ملان) کا سردار تھا ۔ اس نے اپنے علاقے میں ایک خود مختار حکومت قائم کر لی تھی ۔ بعد ازاں اس نے کوہستانِ عبدالعزیز کا رُخ کیا تو وہاں اسے قتل کر دیا گیا ۔

کردوں کا اندازِ معاشرت

پہلی جنگِ عظیم میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری رہی ، کردوں کا کردار جنگی قوم کی حیثیت سے خاصا نمایاں رہا ۔

کردوں کے طرزِ معاشرت میں کئی چیزیں پائی جاتی ہیں جو تاریخی اعتبار سے ان کی زندگی اور ان کے رہن سہن کے عام طور طریقوں کا لازمی حصہ بن گئی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ ۔ ان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ لوگ علاقائی جاگیروں میں اپنے سردار کے مقبوضہ قلعوں کے ارد گرد گروہوں کی صورت میں جمع رہتے تھے ۔

۲ ۔ یہ ایک ایسی جنگی قوم ہے جو ہر موقعے پر اپنے سردار کی مدد کرتی اور اس کے مفادات کی حفاظت کے لیے کوشاں رہتی ہے ۔

۳ ۔ ان میں چرواہے بھی ہیں، کاشت کار بھی ہیں، خانہ بدوش بھی اور مقیم یا نیم مقیم بھی ہیں ۔ یہ سب لوگ تکلیف کے وقت ایک دوسرے کا سہارا بننے کی کوشش کرتے ہیں ۔

۴ ۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں ۔ وہ سردیوں کا موسم عراق کے گرم میدانوں میں عربوں کے قرب و جوار میں گزارتے ہیں اور پھر شہروں میں جاکر محنت مزدوری کرتے ہیں ۔

۵ ۔ شمالی عراق کے کرد بڑے ہوشیار اور تیز طرار ہیں ۔ وہاں یہ کاشت کار کی حیثیت سے رہتے ہیں اور دلجمعی سے کام کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس نواح میں بدوی عربوں پر انھیں برتری حاصل ہے ۔

کردوں کی حکمران ۔ حلیمہ

کردوں کی معاشرتی زندگی میں عورتوں کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں کلہر کے کرد قبائل کی حکمران ہسکاری کی ایک خاتون تھی، جس کا نام حلیمہ تھا ۔ یہ بڑی کامیاب حکمران تھی ۔ ۱۹۲۴ء میں برطانیہ کی حکومت نے اسے "خان بہادر" کا خطاب دیا تھا ۔

مسلکِ فقہی اور تصوّف

مذہبی اور مسلکی اعتبار سے کردوں کی اکثریت اہلِ سنت کے شافعی مسلک سے تعلق رکھتی ہے ۔ اگرچہ ایران کے سرحدی مقامات میں رہنے والے کرد شیعیت سے بھی متاثر ہیں، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوف و طریقت کے سلسلوں سے بھی بہت سے کرد وابستہ ہیں، مثلاً ان میں نقشبندی، چشتی، سہروردی اور قادری وغیرہ سلاسلِ تصوف سے دلچسپی رکھنے والے بے شمار حضرات مختلف قبائل میں موجود ہیں اور ان کے باقاعدہ ذکر و فکر کے حلقے قائم ہیں، جن میں ہر سلسلے کے طریقے کے مطابق وظائف و اوراد کی تلقین کی جاتی ہے۔

لوک گیت اور کہانیاں

جس طرح مختلف علاقوں میں علاقائی کہانیاں اور لوک گیت وغیرہ مشہور ہیں، اسی طرح کردوں میں بھی قصّہ گوئی، گیتوں اور کہانیوں کا عام رواج ہے، جن میں ان کی تاریخ و ثقافت اور تہذیب و تمدن کی جھلک نمایاں ہے۔ ان باتوں کا تعلق اخلاقی واقعات، جن پری کی کہانیوں، بے وقوفوں سے متعلق حکایتوں، عشق و محبت کی داستانوں، بعض قبائل کی لڑائیوں اور کچھ لوگوں کی شجاعت و بہادری سے ہے۔ اس قسم کے واقعات و حکایات ان کی بعض کتابوں میں درج ہیں اور کچھ وہ ہیں جو سینہ بہ سینہ چل رہے ہیں جو بوڑھی بوڑھی عورتیں چھوٹے بچوں کو سناتی ہیں اور مرد عام مجلسوں میں بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں نظم میں بھی ہیں اور نثر میں بھی۔

ادیب اور شاعر

کردوں میں بہت سے ادیب اور شاعر بھی پیدا ہوئے، جن میں مندرجہ ذیل حضرات نے بڑی شہرت پائی۔

۱۔ علی حریر :۔ یہ صاحبِ دیوان کرد شاعر تھا جو ۱۰۰۹ء کو شمدینان میں پیدا ہوا اور ۱۰۷۸ء میں فوت ہوا۔

۲۔ احمد ملائی جزری :۔ یہ الجزیرہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۱۱۴۵ء سے ۱۱۶۰ء تک ایک حکمران عماد الدین کے عہدِ حکومت میں بڑی شہرت پائی۔ یہ بھی صاحبِ دیوان شاعر تھا۔

۳۔ فقی طیران :۔ ۱۳۰۲ء کو مقام مکس میں پیدا ہوا اور وہیں ۱۳۷۵ء کو اس کی وفات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی۔ اس کا کلام کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔

۴۔ ملائی بتی :۔ اسے ملا احمد بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ولادت قبیلہ ہکاری کے ایک گاؤں بتی میں ۱۴۱۷ء کو ہوئی اور ۱۴۹۴ء کو اس کا انتقال ہوا۔

۵۔ احمد خاں ہکاری :۔ اس کا سال ولادت ۱۵۹۱ء اور سن وفات ۱۶۵۱ء ہے۔ بہت اچھا شاعر تھا۔

اس طرح مختلف ادوار میں کردوں میں بہت سے شعرا پیدا ہوئے۔ موجودہ دور کے کرد شاعروں میں علی کامل، عبدالقادر زہادی، اسماعیل بایزیدی، شریف خاں، مراد خاں بایزیدی، احمد بیگ، فتاح صاحبقراں، مصطفےٰ بے جاف، نوری بابا علی، ملا رحیم مکری، کاک امین، کاک مصطفیٰ ایرانی اور علی بیگ سالار سعید قابلِ ذکر ہیں۔

محدّث اور فقیہ

کردوں میں بہت سے علمائے دین بھی پیدا ہوئے جنھوں نے حدیث و فقہ کے موضوع پر عربی، فارسی، ترکی اور کردی زبانوں میں کتابیں لکھیں۔ بعض کرد اصحابِ حدیث نے صحیح بخاری کی شرحیں سپردِ قلم کیں، ان حضرات میں شیخ احمد کردی اور شیخ محمد بن داؤد کردی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ موجودہ دور میں بھی متعدد علمائے کرام موجود ہیں جو بعض کرد قبائل اور اپنے دیہات و قصبات میں تصنیف و تالیف کی خدمات بھی سرانجام دے رہے ہیں اور ان کے درس و تدریس کے حلقے بھی قائم ہیں۔

شارحین صحیح بخاری کے علاوہ کرد اصحابِ تصنیف میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ علی ترماخ : اُنھوں نے ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) کے بعد کردی زبان سے متعلق عربی صرف و نحو کی کتاب لکھی۔

۲۔ ملا یونس خلقطینی : اُنھوں نے صرف و نحو کے موضوع پر عربی میں تین کتابیں تصنیف کیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ایک کرد عالم نے ۸۴۳ء میں مسلمانوں کی شرعی نماز کے سلسلے میں ایک کتاب تحریر کی۔

۴۔ احمد خانی اور ان کے بعض رفقا نے عربی، فارسی اور ترکی میں دینی مسائل کی وضاحت کی۔

۵۔ عیسیٰ ہکاری: ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ء) میں فوت ہوئے، یہ وہ کرد عالم دین ہیں جو عربی میں فقہی مسائل کو ضبطِ تحریر میں لائے۔

۶۔ تقی الدین شہرزوری: ان کا انتقال ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) میں بمقام دمشق ہوا۔ یہ وہ کرد مصنف ہیں جنھوں نے عربی میں دینیات سے متعلق متعدد کتابیں لکھیں جو کردوں کے دینی مدارس میں طلبا کو پڑھائی گئیں اور عوام و خواص میں مقبول ہوئیں۔

۷۔ عبداللہ کردی: یہ سنجار کے رہنے والے ممتاز عالمِ دین تھے۔

۸۔ مولانا عبدالرحیم: ان کا شمار دورِ گزشتہ کے نامور کرد علما میں ہوتا ہے۔

۹۔ مولانا محمد لیسَر قلعی: انھوں نے اپنے زمانے میں کردوں کی بڑی علمی خدمت کی۔

۱۰۔ شیخ عمار یاسر: کردوں کے مشہور و معروف عالم تھے۔

۱۱۔ محترمہ ماہ شرف خانم: یہ خاتون فارسی زبان کی شاعرہ اور عالمہ تھیں۔ انھوں نے فارسی نثر میں بعض تاریخی کتابیں لکھیں اور فارسی میں شعری ذخیرہ بھی چھوڑا۔ ان کی وفات ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) میں ہوئی۔

۱۲۔ شیخ احمد الکردی: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری کی شرح سپرد قلم کی جس کا نام العقد العالی فی اشکال صحیح البخاری ہے۔ مشہور مستشرق براکلمن کے مطابق اس کا قلمی نسخہ پیرس کی لائبریری میں موجود ہے۔

۱۳۔ شیخ محمد بن داؤد بن محمد البازی الکردی الحموی: ان کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے، ان کا اسم گرامی بھی شارحینِ بخاری میں شامل ہے۔ یہ شافعی المسلک محدث ہیں جو ۹۲۵ھ میں فوت ہوئے، انھوں نے غایۃ المرام فی رجال البخاری کے نام سے صحیح بخاری کے متعلق کتاب لکھی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ نو عثمانیہ واقع قسطنطنیہ (استنبول) جامع شریفی میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرد علاقہ ہر اعتبار سے پُر ثروت ہے اور یہ وہ قوم ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں جدوجہد کی۔ علم کی دُنیا میں بھی ان کے علماء و فضلا نے بڑی خدمات سر انجام دیں اور بڑا نام پایا۔ مردوں کے علاوہ بعض کرد عورتوں نے بھی تصنیفی و تحقیقی اور تدریسی و تعلیمی میدان میں بے حد تگ و تاز کی اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

بلاشبہ یہ بہت متحرک اور زندگی کے مختلف گوشوں میں تیز رفتار لوگ ہیں۔

کرد قبائل میں عیسائی مبلغین

کرد قبائل میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیاں بھی جاری رہیں اور جاری ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں بعض عیسائی اداروں نے انجیل کا ترجمہ کردی زبان میں کر کے لندن سے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۰۹ء میں پھر ایک ترجمہ مرقس کی انجیل کا شائع ہوا۔ عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے ایک سوال و جواب نامہ چھاپا تھا، پھر ایک رسالہ شائع کیا تھا، جس کا مطلب تھا "بڑھے چلو مسیحی سپاہیو"۔ کردوں کے مقامی اور قبیلوی حالات کے مطابق عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیاں ہمیشہ تیز رہیں۔

کردوں کے رسائل و جرائد

کرد کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں اور ان کی سرگرمیوں کی حدود کس نوعیت کی ہیں؟ اس کی تفصیل سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور اپنے مقاصد و موقف کو صراحت سے حیطۂ بیان میں لانے کی غرض سے کردوں نے مختلف اوقات میں رسائل و جرائد بھی جاری کیے۔

ان کا سب سے پہلا جریدہ "کردستان" تھا، اس کے ایڈیٹر عبدالرحمٰن بیگ بوہتانی تھے۔ یہ جریدہ ۱۸۹۲ء میں قاہرہ سے، پھر ۱۹۰۲ء میں لندن سے اور پھر فوکس ٹاؤن سے شائع ہوتا رہا۔ "کردستان" علمی اور سیاسی حلقوں میں بہت مقبول ہوا اور اس کے قارئین کا حلقہ کافی پھیل گیا تھا۔

کرد طالب علموں نے ایک تنظیم "[illegible]" کے نام سے قائم کی تھی، جس کے معنے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اتحاد" ۔ اس تنظیم نے اپنا ایک رسالہ "روژا کرد" جاری کیا تھا۔ یعنی "یوم کرد" اس کا ایڈیٹر عبدالکریم سلیمانی کو بنایا گیا تھا۔ اس کے ۶؍جون ۱۹۱۲ء کے شمارے میں صلاح الدین ایوبی کی متعدد تصویریں شائع ہوئی تھیں۔ اس کے بعد ۶؍جولائی ۱۹۱۲ء کا شمارہ آیا تو اس میں ایک کرد انقلابی کریم خاں رند کی مختلف تصویریں چھپی تھیں۔ یہ رسالہ استنبول سے جاری کیا گیا تھا۔

اسی اثنا میں ایک رسالہ "بتاوی کرد" منظرِ صحافت پہ آیا، جس کے معنے ہیں آفتاب۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک یعنی پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں اور اس کے بعد کردوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور انھوں نے مصر، قسطنطنیہ اور کردستان کے علاقے سے (جو دیار بکر وغیرہ پر مشتمل تھا) کئی اخبار جاری کیے، ان میں ایک ہفت روزہ اخبار "ترین" تھا (یعنی زندگی) یہ اخبار ترکی زبان میں قسطنطنیہ سے جاری کیا گیا تھا، اس کا نعرہ تھا، "کردستان کردوں کے لیے ہے۔"

ایک ماہانہ رسالہ کرد عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے نے جاری کیا تھا۔ اس کے اجرا کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ اس رسالے کا نام "کردستان" رکھا گیا تھا۔

ایک پندرہ روزہ "کردستان" احمد عزیزی نے قاہرہ سے جاری کیا تھا۔ اس کا اجرا کردوں کے بدرخاں قبیلے سے تعلق رکھنے والوں کی کوشش سے عمل میں آیا تھا۔

کردوں نے سلیمانیہ سے جو پہلا اخبار جاری کیا، اس کا نام "بنکوتن" تھا، جس کے معنے ہیں "ترقی"۔ کچھ عرصے کے بعد یہ اخبار بند ہوگیا تھا اور اس کے بجائے "بانگ کردستان" شائع ہونے لگا تھا۔

"روژ کردستان" کے نام سے ایک مجلہ ایک کرد اہلِ علم محمد نوری نے سلیمانیہ سے جاری کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے، شاہِ کردستان۔

پھر "بانگ حق" ۱۹۲۳ء میں جاری ہوا۔ بعدازاں ہفت روزہ "ژیانوی" (یعنی رستخیز) میدانِ صحافت میں آیا۔

ایک ہفت روزہ "دیاری کردستان" نکلا، جس کے معنے "تحفہ کردستان" کے ہیں۔ ہفت روزہ "انتقادی" ... "زارکرپانچی" نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھی ایک ہفت روزہ اخبار نکالا گیا تھا۔

اس طرح کردوں نے بہت سے رسائل و جرائد مختلف شہروں اور ملکوں سے مختلف زبانوں میں مختلف اوقات میں جاری کیے۔ ان رسائل و جرائد کی وجہ سے کردوں کی آواز دور دور تک پہنچی اور ان کے حالات و کوائف لوگوں کے علم میں آئے۔

حکومت ایران اور کرد

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ایران میں کردوں کی پہلے کیا حالت تھی اور اب کیا ہے۔

ایران میں کردوں کے ہنگامے ہمیشہ جاری رہے۔ رضا شاہ پہلوی کے عہد میں بھی وہ خاموش نہیں بیٹھے۔ ان کے ہنگاموں اور شورشوں سے تنگ آکر ایرانی حکومت نے ان کے خلاف سخت اقدامات کا فیصلہ کیا۔ ان کے تقریباً تمام قبائل کے سرداروں کو تہران میں لاکر جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور ان کی جائدادیں بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھیں۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے زمانے میں ایران کے شمالی حصّے پر روسی حکومت نے اور جنوبی حصّے پر برطانوی حکومت نے قبضہ کر لیا تھا، لیکن کردستان کا علاقہ روس اور برطانیہ کی گرفت سے محفوظ رہا۔ روس نے اپنے مقبوضہ ایران کے علاقے میں کمیونزم کی نشر و اشاعت کے لیے کوشش کی، لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

کردوں نے اپنی ایک سیاسی جماعت "کومالا" کے نام سے بنالی تھی اور ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو صوبہ آذربیجان میں مہاباد کے مقام پر جمہوریہ کے قیام کا اعلان کر دیا تھا، اس جمہوریہ کا سربراہ قاضی محمد اور سپہ سالار ملّا مصطفےٰ برزانی کو بنایا گیا۔ یہ لوگ خود تو کمیونسٹ نہیں تھے، البتہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کی ہمدردیاں ان کو حاصل تھیں۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ایران میں کردوں کو داخلی آزادی سے بہرہ مند کیا جائے۔ انھوں نے اپنے علاقے کردستان یا کرد جمہوریہ میں بہت سی اصلاحات کیں۔ زراعت اور صنعت کو فروغ دیا اور اس کی رفتار کو آگے بڑھانے کے لیے کوشاں ہوئے۔ جگہ جگہ سکول کھولے اور ہسپتال قائم کیے۔ تعلیم کو رواج دینا اور لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فلاح و بہبود کے ذرائع پیدا کرنا ان کے بنیادی مقاصد تھے۔

جنگ کے بعد یکم جنوری ۱۹۴۶ء کو برطانوی فوجیں ایران سے نکل گئیں، لیکن روس نے اپنی فوجیں نکالنے سے انکار کر دیا۔ روس دراصل ایران میں ایسی حکومت قائم کرنے کا خواہاں تھا جو اس کے زیر اثر رہے۔ ایرانی حکومت اپنا کیس سلامتی کونسل میں لے گئی تو روس نے دو بہت بڑی شرطیں پیش کر دیں۔

ایک یہ کہ اسے ایران کے شمالی علاقوں میں تیل نکالنے کی سہولتیں دی جائیں۔

دوسری یہ کہ کرد جمہوریہ کو تسلیم کیا جائے۔

ایران کے لیے یہ شرطیں ماننا ممکن نہ تھا، بالآخر چار مہینوں کی طویل گفتگو کے بعد ۹۔ مئی ۱۹۴۶ء کو روس نے ایران کے علاقے خالی کر دیے۔ اس سے چھ مہینے بعد نومبر ۱۹۴۶ء کو رضا شاہ پہلوی نے ایرانی فوجوں کو کرد جمہوریہ کے خلاف یلغار کرنے کا حکم دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۔ دسمبر ۱۹۴۶ء کو اس کے صدر قاضی محمد اور دیگر عہدے داروں نے ہتھیار ڈال دیے اور ۳۱۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو ان سب لوگوں کو بغاوت کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا، لیکن کرد جمہوریہ کا سپہ سالار ملا مصطفےٰ برزانی کسی طرح بھاگ کر روس پہنچ گیا تھا۔ وہاں وہ گیارہ سال رہا، روسی حکومت نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اسے یہی کہتی رہی کہ وہ ایران میں آزاد کردستان کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لے گا، وہ اس کے خواب دیکھتا رہا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ ملا مصطفیٰ برزانی کمیونسٹ نہیں تھا۔

اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ناکامی کے بعد ایرانی کردوں نے خاموشی اختیار کر لی اور ملک میں اپنی آزاد ریاست کے قیام کا خیال دل سے نکال دیا۔

اس سے چار سال بعد ۱۹۵۰ء میں اور پھر ۱۹۵۴ء میں کرمان شاہ کے کردوں میں اضطراب کی لہر اٹھی اور انھوں نے حکومت کو ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ایرانی فوج نے سختی کے ساتھ ان کی اس شورش کو دبا دیا۔ اس کے بعد ایرانی حکومت نے کردوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بھرپور کوشش کی اور اصلاح و بہبود کے بہت سے منصوبے عمل میں لائے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۷۹ء میں ایران میں انقلاب آیا اور شاہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد اسلامی جمہوری حکومت قائم ہوئی تو کردوں نے ایرانی حکومت کی مخالفت نہیں کی ۔

حکومتِ عراق اور کرد

آیئے اب عراقی کردوں کے حالات سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ خلیج کی جنگ کے بعد معاملے کا اصل تعلق انہی سے ہے، علاوہ ازیں کرد زیادہ تر عراق ہی میں آباد ہیں ۔

شیخ محمود برزانی جو مشہور کرد رہنما تھا، طویل عرصے تک کردوں کی حکمرانی کے لیے کوشاں رہا ۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں اس نے عراق کردستان کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا ، لیکن بعض مسائل میں اس کے ساتھیوں میں اس قدر اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا ۔

۱۹۳۰ء میں واقعات نے اس انداز میں کروٹ لی کہ عراق میں امیر فیصل کی حکومت کے خلاف کردوں اور آشوریوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا ۔ کردوں کا کہنا تھا کہ ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں اور کردی زبان کو کرد علاقوں کے سرکاری دفاتر سے نکالا جا رہا ہے ۔ شیخ محمود جو اس سے کچھ عرصہ پہلے ایران میں پناہ گزین کی حیثیت سے بیٹھا تھا، اب عراق چلا گیا تھا اور اس نے کردوں کی بغاوت کی تحریک اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور عراقی حکومت سے کردستان کی آزادی کا مطالبہ کر دیا تھا ۔ اس بغاوت نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ سخت خون ریزی کے بعد اسے رائل ایئر فورس نے ختم کیا ۔

۱۹۳۱ء میں عراق کے ایک اور کرد لیڈر شیخ احمد برزانی نے بغاوت کر دی ۔ اس سے ایک سال بعد ۱۹۳۲ء میں اس نے دوبارہ سر اٹھایا اور حکومت کے خلاف میدان میں اتر آیا ۔ مجبوراً اسے پہلے کرکوک میں اور پھر سلیمانیہ میں نظر بند کر دینا پڑا ۔ ۱۹۴۵ء تک وہ سلیمانیہ میں رہا ۔ اسی اثنا میں رشید علی گیلانی باغی لیڈر کی حیثیت سے نمودار ہوا ، لیکن اس کی بغاوت کو جلد ہی دبا دیا گیا ۔ بعد ازاں حکومت نے کردوں کا تعاون حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں تک کہ اچھی خاصی تعداد میں انھیں فوج میں بھی بھرتی کر لیا گیا۔

مصالحت کے لیے تین شرطیں

۱۹۴۳ء میں احمد برزانی کا بھائی ملا مصطفیٰ بغاوت کا جھنڈا لہراتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کے اثرات کا دائرہ جب بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا اور حکومت نے اپنے آپ کو کمزور محسوس کرتے ہوئے صلح کے لیے آمادگی ظاہر کی تو ملا مصطفیٰ نے مصالحت کے لیے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ کرد علاقوں میں عربی زبان کے ساتھ کردی زبان کو بھی سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے۔

۲۔ کرد علاقوں میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لیے پہلے سے زیادہ مدارس قائم کیے جائیں اور اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳۔ جن علاقوں میں کردوں کی اکثریت ہے وہاں کے سرکاری محکموں میں بڑے چھوٹے ملازم اور عہدے دار صرف کرد مقرر کیے جائیں۔

یہ شرائط اگرچہ بڑی سخت تھیں تاہم عراق کا وزیر اعظم نوری السعید روز روز کا جھگڑا ختم کرنے کے لیے ان شرائط کو ماننے پر آمادہ تھا۔ لیکن امیر عبداللہ نے یہ شرائط مسترد کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۴ء میں بغاوت نے نہایت شدت اختیار کر لی اور تمام کرد، عراقی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عراقی فوج بغاوت کو دبانے کے لیے آئی تو کردوں نے پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور فوج کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ رائل ایئر فورس بھی حکومت کی مدد کو آئی۔ بغاوت تو کچل دی گئی، لیکن فریقین کے بے شمار آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے اور بے انتہا مالی نقصان ہوا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ملا مصطفیٰ برزانی عراق سے ایران چلا گیا اور (جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے) اس نے ایرانی کردوں میں آزادی کی تحریک چلائی۔

قفقاز میں ریڈیو اسٹیشن

عراقی کردوں نے شکست کے بعد ہمت نہیں ہاری اور کردستان کے قیام کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک جاری رکھی۔ اس کے لیے اُنھوں نے "کردستان ڈیموکریٹک پارٹی" قائم کی جو بائیں بازو کے افکار کی حامل تھی۔ اس پارٹی کی طرف سے دو رسالے (یا اخبار) بھی جاری کیے گئے تھے جو اس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے تھے۔ ایک رسالے کا نام "آزادی" اور ایک کا "ژگاری" تھا۔ روس کے علاقے قفقاز (کاکیشیا) میں ایک ریڈیو سٹیشن بھی قائم کر دیا گیا تھا جو کردی زبان کی نشریات میں کردوں کو عراقی حکومت کے خلاف بغاوت پر ابھارتا تھا۔

عراق کی فوجی حکومت سے مطالبات

۱۴۔ جولائی ۱۹۵۸ء کو عراقی فوج نے حکومت کا تختہ الٹ کر جنرل عبدالکریم قاسم کو نئی حکومت کا سربراہ بنالیا۔ نئی حکومت کا ذہنی و فکری رجحان روس کی طرف تھا، لہٰذا اس نے ملا مصطفیٰ برزانی اور اس کے ساتھیوں کو روس سے عراق واپس آنے کی اجازت دے دی، واپس آکر ان لوگوں نے ایک عرض داشت کے ذریعے عبدالکریم قاسم کی حکومت کو مندرجہ ذیل پانچ مطالبات پیش کیے۔

۱۔ عراق میں کردوں کی آزاد حکومت قائم کی جائے، جس کی سرکاری زبان کردی ہو۔

۲۔ کرد علاقوں کی پولیس کردی ہونی چاہیے۔

۳۔ خارجہ تعلقات اور دفاعی معاملات کے علاوہ باقی امور میں جمہوریہ کردیہ کو داخلی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

۴۔ موصل اور کرکوک کے تیل کے چشموں سے حکومت کو جو آمدنی ہوتی ہے اس کا زیادہ تر حصہ کرد علاقوں کی تعمیر و ترقی پر خرچ کیا جائے۔

۵۔ کردی فوج، کرد جمہوریہ کی مرضی کے بغیر کردستان سے باہر نہ بھیجی جائے۔

عراقی کونسل نے ان تجویزوں پر غور کرنے کے بعد اُنھیں مسترد کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملا مصطفیٰ برزانی اور اس کے ساتھی پھر آمادۂ بغاوت ہو گئے، لیکن عراقی فضائیہ نے کرد علاقوں پر شدید بم باری کر کے تباہی مچا دی اور اُنھیں سخت جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائی

اس کے بعد دسمبر ۱۹۶۱ء اور مارچ ۱۹۶۲ء میں کردوں اور عراقی فوج میں پھر جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اب کردوں کا پلّہ بھاری رہا اور تین ہزار عراقی سپاہی مارے گئے۔

۹ فروری ۱۹۶۳ء کو عبدالکریم قاسم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا اور ملک کی زمام اقتدار بعث پارٹی نے سنبھال لی۔ اس سے چھ مہینے بعد جولائی ۱۹۶۳ء میں کردوں اور عراقی فوج کے درمیان پھر ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی۔ یہ ہنگامہ آرائی بعث پارٹی کے زوال کا باعث بنی اور عبدالسلام عارف مسندِ حکومت پر متمکن ہوگیا۔ اس حکومت نے بھی کردوں کو بم باری کا نشانہ بنایا اور ان کو جن اذیتوں سے دوچار کیا گیا تھا، وہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھی زیرِ بحث آئیں۔ روس نے حسبِ سابق کردوں کی حمایت کی اور امریکہ اور برطانیہ پر الزام لگایا کہ یہ حکومتیں عراقی حکومت کی حمایت کر کے کردوں کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ ۱۰ فروری ۱۹۶۴ء کو حکومتِ عراق اور کرد رہنماؤں کے درمیان ایک معاہدے کے تحت جنگ بند ہوگئی۔

مفاہمت کی راہ

۱۹۶۶ء میں عبدالسلام عارف کا انتقال ہوگیا اور حکومت کی باگ ڈور اس کے بھائی عبدالرحمٰن محمد عارف نے سنبھال لی۔ اس کے دورِ حکومت میں بھی کرد اندرونی آزادی کا مطالبہ کرتے رہے اور عراقی حکومت کے خلاف ان کی ہنگامہ آرائی کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۶۸ء میں بعث پارٹی نے دوبارہ کاروبارِ حکومت پر قبضہ کر لیا اور کردوں کا مسئلہ پھر غور و فکر کا مرکز قرار پایا۔ طویل گفت و شنید کے بعد مارچ ۱۹۷۰ء میں کردوں اور عراقی حکومت کے درمیان مفاہمت کی آبرومندانہ راہ نکل آئی اور حکومت نے کردوں کے مطالبات مان لیے۔ ان کا ایک پرانا مطالبہ یہ تھا کہ سلیمانیہ میں کردوں کی یونیورسٹی قائم کر دی جائے، یہ مطالبہ تسلیم کیا گیا اور ان کی یونیورسٹی قائم کر دی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردوں کی تعداد

کردوں کے بارے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان کی آبادی کہیں ایک جگہ مجتمع نہیں ہے۔ یہ لوگ روس، ترکی، شام، ایران، آرمینیا اور عراق کے مختلف مقامات میں آباد ہیں، کہیں کم ہیں اور کہیں زیادہ۔ اس لیے قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی صحیح طور پر کل تعداد کتنی ہے یا یہ کہ مذکورہ ملکوں میں سے کس ملک میں یہ کتنی تعداد میں ہیں، یعنی ان کی مردم شماری کے متعلق آخری اور حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی تعداد ڈھائی کروڑ سے پونے تین کروڑ تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو تعداد کے اعتبار سے تو بلاشبہ یہ بہت زیادہ ہیں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ متعدد ملکوں اور علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں، کسی ایک جگہ پر نہیں ہیں۔ البتہ سب سے زیادہ عراق میں ہیں اور گزشتہ دور میں عراقی حکومت سے ہی ان کی زیادہ کشمکش رہی ہے اور اب بھی اسی سے ہے۔ داخلی خود مختاری کا مطالبہ بھی عراق سے ہے۔

خلیج کی جنگ کے بعد یہ سخت پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ سابقہ ادوار میں ان کی پشت پناہی روس کرتا تھا، اب امریکہ ان کے حامی و معاون کا کردار ادا کر رہا ہے۔ امریکہ کا مقصد جیسا کہ سب کو معلوم ہے، کردوں کی حمایت کرنا نہیں بلکہ عراقی حکومت کو پریشانی میں ڈالنا اور اس کی طاقت کو زیادہ سے زیادہ کمزور کرنا ہے۔

اب کرد رہنماؤں کی بغاوت اور ہنگامہ آرائی میں امریکہ کا ہاتھ ہے اور کردوں کا قائد مسعود برزانی ہے۔ عراقی حکومت کے ساتھ اس کی گفتگو کی رفتار خاصی آگے بڑھی ہے اور کئی امور پر اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ امید ہے داخلی خود مختاری کے مسئلے پر فریقین میں سمجھوتہ ہو جائے گا اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی خواہش کے مطابق مذاکرات کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردستان

گزشتہ صفحات میں کردوں کے تذکرے کے سلسلے میں "کردستان" کا لفظ کئی مقامات پر معرضِ تحریر میں آیا ہے۔ یہ لفظ (جیسا کہ پہلے ایک جگہ پر لکھا گیا ہے) سب سے پہلے سلجوقی حکمران ملک سنجر نے کردوں کے مسکن کے متعلق استعمال کیا تھا۔ اس زمانے میں زیادہ تر کرد آذر بیجان، دُینَوَر، ہمدان، کرمان شاہ، زاکروس، شہر زور اور خفیان میں سکونت پذیر تھے۔ ان کا صدر مقام "بہار" تھا جو ہمدان کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس نواح میں ان کے سولہ اضلاع تھے، جن میں دیار بکر، اربیل، حمادیہ وغیرہ علاقے شامل تھے۔

کردستان اس علاقے کو کہا جاتا تھا، جس میں زیادہ تر آبادی کردوں کی تھی۔ سرکاری کاغذات میں بھی اس لفظ کا اطلاق اسی علاقے پر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ترکی کا عثمانی حکمران سلطان سلیم تبریز سے قسطنطنیہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں کردوں کا علاقہ آیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ "بلاد اکراد" ہیں جو کافی دُور تک پھیلے ہوئے ہیں، چنانچہ اس نے اپنے بعض امرا کو اس تمام علاقے کا دورہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے اس کا مقصد سرزمین کردستان کے حکام اور سرداروں کو اپنے قریب لانا اور ان کے دل میں دوستی اور محبت کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ سلطان سلیم نے بعض معاملات میں کردوں کے ساتھ معاہدے کیے اور ان کے لیے امن و امان کی فضا پیدا کرنے کا یقین دلایا۔

بہر حال بعض مورخین کا کہنا ہے کہ "کردستان" اس علاقے کو کہا جاتا تھا، جہاں کردوں کی اکثریت تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ کردوں کی ایک مستقل حکومت تھی اور بہار اس کا دارالحکومت تھا۔ ان کی مملکت کا نام "کردستان" تھا۔

کردوں کی باقاعدہ کوئی حکومت تھی یا نہیں تھی، اس سے قطع نظر یہ حقیقت ہے کہ شام، عراق، ترکی، ایران اور روس وغیرہ میں کردوں کے بہت سے قبیلے آباد تھے، جن کے باقاعدہ الگ الگ سردار اور امیر تھے۔ ایسا بھی تھا کہ باہم قریب کے کئی کئی قبیلوں کا ایک ہی سردار تھا، جس کی حیثیت حکمران کی تھی۔ کرد اس کا ہر حکم مانتے اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفا شعار رہتے تھے۔

ہر ملک کی حکومت کی ایک تاریخ ہوتی ہے، جس میں اس کے آغاز کی تفصیل درج ہوتی ہے، اس کے حکمرانوں کا پورا سلسلہ بیان کیا جاتا ہے اور ان کے طرزِ حکومت کا مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر جن جن علاقوں پر ان کا دائرۂ حکمرانی محیط تھا، اس کی حدود کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ کردستان کی حکومت کے بارے میں اس قسم کی معلومات کہیں نہیں ملتیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ یا تو کردستان کا لفظ صرف ان علاقوں پر بولا جاتا تھا، جن میں کردوں کی اکثریت تھی یا پھر یہ قبائلی قسم کی سرداری اور امارت تھی جس کا قدیم دور سے وہاں رواج چلا آرہا تھا اور تاریخ نے اس کی تفصیلات کو محفوظ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اب جو حالات امریکہ نے پیدا کر دیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کردستان کے نام سے عراقی کردوں کی خود مختار حکومت قائم ہو جائے گی۔

ایک سوال

ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرد صرف عراق ہی میں تو آباد نہیں ہیں، شام، ترکی اور ایران میں بھی موجود ہیں، ان ملکوں میں کردوں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم کرنے کی کیوں کوشش نہیں کی جاتی، اس کے لیے صرف عراق ہی پر کیوں نگاہِ انتخاب پڑی ہے۔؟

اصل بات یہ ہے کہ امریکہ نے عراق کو مشرقِ اوسط کا کمزور ترین ملک بنانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اسے کردوں سے نہ پہلے ہمدردی تھی نہ اب ہے۔ اس کا مقصد کردوں کی خود مختار حکومت قائم کر کے عراق پر ایک اور ضرب لگانا ہے۔

© rasailojaraid.com